OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

پاکستان میں سیاسی ومعاشرتی بدامنی: سیرت نبوی کی روشنی میں حل

The Solution of Political and Social Instability in Pakistan in the light of *Sirah* of the Prophet

Muhammad Ahmad

M.Phil. Islamic Studies, Department of Education, The Islamia University of Bahawalpur

Muhammad Aamir

PhD Scholar, The Islamia University Bahawalpur

Abstract

This article mentions some of the responsibilities of the leaders which are the most important responsibilities of the Islamic government, such as: implementation of Sharia, establishment of justice and justice, commanding the good and forbidding the evil, establishing peace, reforming the society, etc. Pakistan has a democratic system of government which is a secular system in which the concept of accountability before God is missing. Rather, they are obtained through rank and proper tagodo and are considered a sign of honor and dignity. Therefore, everyone tries to take over the government in legitimate and illegitimate ways. Dictators, tyrants and dictators are sovereign. Their lavish pomp is enough to show how fearless and irresponsible they are They are rich people, the stars of their soul have made the life of the people indigestible. but if today's age is compared to the early period of Islam, then it is clear that the righteous servants of God have always been running away from positions and responsibilities and if any such burden has been placed on them against their will. So his whole life was buried under this burden. They carried out their responsibilities with such zeal and dedication that it is difficult to find an example in history. The

CC BY

Islamic State is an ideological state whose goal is the individual and collective well-being of the people. This well-being extends not only to worldly goods but also to the welfare of the Hereafter. Achieving contentment, protecting their lives, protecting them from oppression and tyranny, imitating Islamic rules in all actions and spheres of the state and making it necessary to preach Islamic call all over the world are among its main objectives. The first duty of the ruler and his government in the Islamic State was to establish the Islamic way of life without any change and to promote the good in accordance with the moral standards of Islam and to eradicate the evil. And this is the purpose of the Muslim Ummah according to the Qur'an. The successful progress of the Islamic Da'wah depends largely on its leadership. if he is God-fearing, responsible, insightful, courageous, self-sacrificing and of ideal character, then the morale of his comrades behind him and the morale of his enemies will be low. Leaders sincerely believe in the principles on which the Islamic system is based. The people in charge of leadership should be God-fearing, virtuous and honest.

Keywords: Leaders, government, Sharia, justice, society, democratic system, secular system, Dictators, leadership, Muslim Ummah

تمہید

اسلامی ریاست ایک نظریاتی ریاست ہے جس کا نصب العین عوام کی انفرادی و اجتماعی بہبود ہے یہ بہبود محض دنیاوی ساز و سامان کی حد تک ہی نہیں بلکہ اس میں اُخروی زندگی کی فلاح بھی شامل ہے۔ اسلامی ریاست کا مقصد قیام امن اور افراد انسانی کے لئے فلاح و اطمینان کا حصول، ان کی جان کی حفاظت، انہیں ظلم و زیادتی سے بچانا، ریاست کے تمام اعمال و دوائر میں اسلامی احکام کی تقلید اور دنیا بھر میں دعوت اسلامی کی تبلیغ کو لازمی خیال کرنا اس کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے۔ اللہ کے مددگار اور اس کی تائید و نصرت کے مستحق لوگوں کی صفات یہ ہیں کہ اگر دنیا میں انہیں حکومت و فرمانروائی بخشی جائے تو ان کا ذاتی کردار فسق و فجور اور کبر و غرور کے بجائے اقامت صلوٰۃ ہوتا ہے۔ ان کی دولت عیاشیوں اور نفس پرستیوں کے بجائے ایتائے زکوٰۃ میں صرف ہوتی ہے۔ ان کی حکومت نیکی کو دبانے کی بجائے اسے فروغ دینے کی خدمت انجام دیتی ہے۔ اور ان کی طاقت بدیوں کو پھیلانے کی بجائے ان کو دبانے میں استعمال ہوتی ہے۔ اسلامی ریاست میں حکمران اور اس کی حکومت کا اولین فریضہ یہ قرار دیا گیا کہ وہ اسلامی نظام زندگی کو کسی رد و بدل کے بغیر جوں کا توں قائم کرکے اور اسلام کے معیار اخلاق کے مطابق بھلائیوں کو فروغ دے، اور برائیوں کو مٹائے۔ اور یہی قرآن کی رو سے امت مسلمہ کا مقصد وجود بھی ہے۔ اسلامی دعوت کی کامیاب پیش

رفت کا زیادہ تر دارومدار اس کی قیادت پر ہوتا ہے۔ وہ اگر خدا ترس، ذمہ دار، صاحب بصیرت، جرأت مند، ایثار پیشہ اور مثالی کردار کی ہو تو اس کے پیچھے آنے والے ساتھیوں کے حوصلے بلند اور ان کے دشمنوں کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں۔ قائدین ان اصولوں کو دل و جان سے مانتے اور ان پر ایمان رکھتے ہوں جن اصولوں پر اسلامی نظام قائم ہوتا ہے۔ قیادت پر فائز لوگ خوفِ خدا رکھنے والے، نیک اور ایماندار ہوں۔ وہ ظالم، خدا سے غافل، خواہشات و اغراض کے بندے بے عمل، دوغلے، مفاد پرست اور وعدہ خلاف نہ ہوں۔ وہ معاملہ فہم، دانا صاحب علم اور ذہنی و جسمانی صلاحیتوں سے متصف اور اپنے منصب کے لئے ضروری اہلیتوں کے مالک ہوں۔ قائد کی امانت و دیانت مسلم ہو وہ منصبی ذمہ داریوں کو سمجھتے ہوں ان کا بوجھ اٹھانے کا احساس رکھتے ہوں۔ اور قابل اعتماد کردار کے مالک ہوں- خلفائے راشدین کے انتخاب میں امت مسلمہ نے یہی اصول مد نظر رکھا کہ صالح ترین فرد ہی ان کے حکمران بن سکے۔

برصغیر کے مسلمانوں کا یہ مطالبہ کہ ہمیں الگ ملک چاہیئے۔ حضور اکرم ﷺ کے اس طرز عمل کے عین مطابق تھا جو انہوں نے ہجرت کے بعد مدینہ کی اسلامی ریاست کو قائم کرتے وقت اختیار کیا تھا۔ ایک ایسی ریاست ہونی چاہیئے جس میں اسلام کے سیاسی، معاشی، معاشرتی اور اخلاقی نظام کو عملاً قائم کیا جائے اور اسے دنیا بھر کے انسانوں کے سامنے مثالی ریاست کی حیثیت سے پیش کیا جائے۔ تاکہ وہ بھی دین فطرت کو اپنا کر اپنی دینوی اور اخروی زندگی خوشگوار بنا سکیں نیز "دارالاسلام" کی حکومت دوسری جگہ کے پسے ہوئے عوام کو اس نظام زندگی کے حصول میں مدد دے سکے۔ پاکستان اسی عزم کے ساتھ وجود میں لایا گیا۔

پاکستان کا مختصر تعارف

تشکیل پاکستان کے بعد پاکستان کو بہت سخت مشکلات سے گزرنا پڑا۔ اس کو درپیش مسائل کی فہرست بہت طویل ہو جائے گی۔ یہاں پر قائداعظم محمد علی جناح کا یہ قول ان مشکلات کو بیان کرنے کے لئے کافی سمجھتی ہوں۔ "پوری انسانی تاریخ میں کبھی کسی نئی مملکت کو اتنے سنگین اور سنگلاخ مسائل کا سامنا نہیں کرنا پڑا جو ہمیں درپیش ہیں۔ پوری انسانی تاریخ میں کبھی کسی نئی مملکت نے ان مسائل کا مقابلہ کرنے میں اتنی پامردی اور عزم و استقلال کا مظاہرہ نہیں کیا جس کا مظاہرہ ہم نے کیا ہے۔ ہمارے دشمنوں کو امید تھی کہ پاکستان اپنی ولادت کے ساتھ ہی ختم ہو جائے گا ان کی امیدوں کے برعکس پاکستان ان مسائل کے ہجوم سے مردانہ وار کامیاب و کامران نکلا اور پہلے سے بھی زیادہ مضبوط اور مستحکم پاکستان قائم رہنے کے لیے بنا ہے یہ ہمیشہ قائم رہے گا اور اپنا وہ عظیم کردار ادا کرتا رہے گا جو اس کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے"۔1 پاکستان قائم ہوا تو محمد علی جناح اس کے پہلے گورنر جنرل بنے۔ محمد علی جناح نہایت باحوصلہ پرعزم قائد تھے پاکستان کے بننے کے بعد جو بے پناہ مسائل و مشکلات درپیش تھیں ان کو حل کرنے کے لیے انہوں نے قوم کی صحیح رہنمائی فرمائی جب تک وہ زندہ رہے عوام کے حوصلے بلند رہے لیکن وہ صرف تیرہ ماہ تک اسلامی مملکت پاکستان کی تعمیر و استحکام کی نگرانی کر سکے اور ۱۱ ستمبر 1948ء کو قوم ان کی پدرانہ شفقت اور عظیم قیادت سے محروم ہو گئی۔

"15 اگست 1947ء کو پاکستان کی پہلی کابینہ نے حلف اٹھایا"۔2 اور نوابزادہ لیاقت علی خان وزیر اعظم مقرر ہوئے۔ اور استحکام پاکستان کے لئے بے پناہ کوششیں کیں لیکن لیاقت علی خان بھی زیادہ عرصہ پاکستان کے ساتھ نہ رہ سکے۔ 16 اکتوبر 1951ء کے روز ان کو شہید کر دیا گیا"۔3

ان کے بعد خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم بنے اور ملک غلام محمد گورنر جنرل مقرر ہوئے۔ خواجہ ناظم الدین بہت شریف انسان تھے۔ محمد علی جناح کے معتمد ساتھیوں میں سے تھے انہوں نے قیام پاکستان کے لیے عظیم خدمات سرانجام دیں۔ لیکن ان میں عوامی قیادت کی وہ صلاحیتیں موجود نہ تھیں جو ان کے پیشرو لیاقت علی خان میں تھیں۔ وہ قوت فیصلہ کے اعتبار سے بھی کمزور

شخصیت کے مالک تھے۔ ملک غلام محمد نے کابینہ میں اپنا اثر ورسوخ بڑھایا اور اعلیٰ سرکاری افسران کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور خواجہ ناظم الدین کو برطرف کر دیا۔ خواجہ ناظم الدین وزارت کی برطرفی کے بعد ملک غلام محمد نے محمد علی بوگرہ کو وزیر اعظم نامزد کیا جو امریکہ میں پاکستان کے سفیر تھے اور انہیں نیویارک سے کراچی طلب کیا گیا تھا۔ پہلی وزارت کی برطرفی اور نئی وزارت کے حلف کے درمیان صرف ساڑھے چار گھنٹے کا وقفہ تھا۔ محمد علی بوگرہ خود دیکایک وزیر اعظم بن جانے پر حیران تھے۔ اس لیے اس بات کا بہت کم امکان ہے کہ وزیر اعظم نے اپنے وزراء کی فہرست بھی مرتب کر دی تھی نئی کابینہ میں آٹھ وزراء پرانے ہی تھے صرف تین وزراء نئے تھے۔ جبکہ گورنر جنرل صاحب نے ناظم الدین وزارت کو برطرف کرتے وقت اعلان کیا تھا کہ "میں باامر مجبوری اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ملک کو جو مشکلات در پیش ہیں خواجہ ناظم الدین کابینہ ان کا مقابلہ کرنے میں یکسر ناکام رہی ہے"۔4 ملک غلام محمد کے استعفیٰ دینے کے بعد سکندر مرزا گورنر جنرل مقرر ہوئے۔ پاکستان کی تاریخ میں مسلم لیگ کو سب سے زیادہ نقصان اس بات سے پہنچا کہ ملک غلام محمد گورنر جنرل پاکستان تمام امور پر گرفت چاہتے تھے۔ انہوں نے پارلیمانی نظام کی روح کو پامال کیا۔ کابینہ میں داخلی کابینہ بنائی محلاتی سازشوں کی حوصلہ افزائی کی سیاستدانوں میں ”جی حضوری“ پیدا کی۔ سکندر مرزا ان کے جانشین ہوئے تو انہوں نے اپنے عزائم کے لیے زیادہ بھونڈے طریقے اختیار کیئے بد قسمتی سے یہ دونوں سربراہان مسلم لیگ ہی کے پلڑے میں شمار ہوتے تھے۔ اور مسلم لیگ انہی کے ہاتھوں سے اقتدار سے محروم ہوئی۔ 11 اگست 1955ء کو نئی قومی اسمبلی کے انتخاب کے بعد محمد علی بوگرہ مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کے قائد منتخب نہ ہو سکے۔ ان کی جگہ چوہدری محمد علی قائد منتخب ہوئے۔ چوہدری محمد علی، لیاقت علی خاں کے بعد واحد وزیر اعظم ہیں جو پہلے پارٹی لیڈر بنے پھر وزیر اعظم بنے اور اسمبلی کے ارکان کی اکثریت کی حمایت حاصل ہونے کے باوجود وزارت سے علیحدہ ہو گئے نیز خود مستعفی ہوئے نکالے نہیں گئے۔ وزارتِ عظمیٰ سے علیحدہ ہونے کے بعد بھی پاکستان کی محترم شخصیت رہے۔" ان کے بعد سہروردی وزارت نے 12 ستمبر 1956ء کو حلف اٹھایا۔ یہ وزارت عوامی لیگ نے ری پبلکن پارٹی کے اشتراک سے قائم کی تھی۔ لیکن سکندر مرزا نے سہروردی کی وزارت کو بھی جلد ہی ختم کر دیا۔ اور ان کی برطرفی کا اعلان کر دیا۔ سہروردی کی برطرفی کے بعد سکندر مرزا نے مسلم لیگ کے ایک قائد آئی آئی چندریگر کو وزارت بنانے کی دعوت دی"۔5 مسلم لیگ اور کرشک سرامک پارٹیوں کو جوڑا گیا اور ری پبلکن پارٹی جو صدر سکندر مرزا کی سیاست کے احکام کی وفاداری سے تعمیل کرتی تھی۔ ان کے ساتھ ملائی گئی۔ مسلم لیگ اور ری پبلکن پارٹی جو صدر سکندر مرزا کی سیاست کا کرشمہ تھا یا عجوبہ سیاست، بہر حال جو مرکب اب تیار ہوا وہ پائیدار نہ تھا۔ چنانچہ چندریگر نے دسمبر 1957ء میں صرف انسٹھ روز کے بعد اپنی وزارت سے استعفیٰ پیش کر دیا۔

اس کے بعد ملک فیروز خان وزیر اعظم بنے ملک فیروز خاں کی وزارت اس حد تک افراتفری کا شکار رہی کہ معاشی ترقی رک گئی۔ ملک فیروز خان نون کی وزارت میں جلال بابا جیسے وزیر شامل تھے جنہوں نے اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے وزارت کے فرائض پورے نہ کیئے۔ دوسری طرف حمید الحق چوھدری بھی شامل تھے۔ جو کرشک سرامک کے قائد تھے۔ تیسری طرف وہ عوامی لیگی بھی شامل تھے جنہوں نے 12 اکتوبر 1958ء کو حلف اٹھایا لیکن اہم محکموں کی تقسیم پر جھگڑا کر کے چند روز میں ہی مستعفی ہو گئے۔ اس وزارت میں نہ استعداد کار تھی نہ خلوص، نہ اتحاد، نہ ہم فکری، نہ پروگرام نہ کوئی قدر مشترک۔ ملک پر عملاً فوج کی حکومت زیادہ رہی۔ جس کا آغاز 1958ء کے فوجی انقلاب سے ہوا جس میں اختیارات حکومت فوج کے سربراہ محمد ایوب خان کے ہاتھ آ گئے جو بعد میں فیلڈ مارشل اور صدر پاکستان بن گئے۔ جب ان کے خلاف عوامی تحریک چلی تو انہوں نے اختیارات عوامی نمائندوں کو منتقل کرنے کی بجائے فوج کے سربراہ آغا محمد یحییٰ خاں کو تفویض کر دیئے۔ مارشل لاء کے نفاذ کے وقت سادہ لوح عوام آٹے دال کے بھاؤ میں کمی کی وجہ سے وقتی طور پر خوش تھے لیکن سنجیدہ، باشعور اور پڑھے لکھے لوگ جانتے تھے

کہ آمریت بہر حال آمریت ہے۔ اور جس نظام میں حکمران کسی کے سامنے بھی جوابدہ نہ ہو وہ صرف اس صورت میں مفید ہو سکتا ہے کہ حاکم انتہائی خدا ترس ہو اور خدا کے سامنے جوابدہی کا احساس رکھتا ہو۔ جلد ہی آمریت کے نقصانات سامنے آنے لگے۔ 1965ء کی پاک بھارت جنگ کے بعد اعلان تاشقند سے ایوب خان کی مقبولیت کو سخت دھچکا لگا اور خود ان کے اپنے وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو علیحدہ ہوئے تو مستحکم حکومت کے استحکام میں ایک شگاف پڑا۔ اور ایک باقاعدہ تحریک نے جنم لیا۔ "جب ایوب خان دستوری طریقوں سے امن وامان بحال کرنے میں ناکام ہوگئے تو انہوں نے 25مارچ1969ء کو ملک جنرل یحیٰی خان کے حوالے کر دیا۔ سوا سات بجے یحیٰی خان نے ملک میں مارشل لاء کے نفاذ کا اعلان کر دیا اور آئین منسوخ کر دیا گیا"۔6صدر یحیٰی خاں کے دور حکومت میں 1971ء میں پاک بھارت جنگ ہوئی۔4 ستمبر 1971 کو صدر یحیٰی خان نے تخریب کاروں کو عام معافی دے کر انہیں رہا کر دیا بھارت کو اس فیصلے سے ملک کے اندر ایجنٹ مل گئے۔ "1988-1977ء کا درمیانی عرصہ ضیاء الحق کا دور حکومت تھا"۔7 پاکستان کی تاریخ کی وہ شخصیت جس پر ہر شخص آج تک تبصرے کرنے پر مجبور ہے۔ جو گیارہ سال سے زائد عرصہ برسر اقتدار رہے۔ وہ فوجی جرنیل کی حیثیت سے مارشل لاء کے ذریعے برسر اقتدار آئے لیکن اس کے باوجود ان کی شہادت پر لاکھوں انسانوں نے آنسو بہائے۔ صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے پیر پگارا کے اصرار پر محمد خان جونیجو کو وزیر اعظم مقرر کیا انہوں نے 23مارچ1985ء کو اپنے عہدے کا حلف اٹھایا"۔8 یکم جون1985ء کو سرحد اسمبلی نے متفقہ طور پر پاس کی گئی ایک قرار داد میں ملک سے مارشل لاء ختم کرنے کا مطالبہ کیا اسی روز پنجاب اور بلوچستان اسمبلیوں نے بھی مارشل لاء اٹھانے کا مطالبہ کیا۔ 10 جون کو قومی اسمبلی کے 25 ارکان نے جن کا تعلق آزاد گروپوں سے تھا مطالبہ کیا کہ صدر ضیاء مارشل لاء اٹھانے سے پہلے اسلامی نظام کے نفاذ کا اعلان کریں۔ بالآخر 30 دسمبر1985ء کو صدر ضیاء الحق نے مارشل لاء اٹھانے کا اعلان کر دیا"۔9مارشل لاء کے خاتمے کے بعد محمد خان جونیجو وزیر اعظم بنے۔ لیکن 29مئی1988ء کو صدر ضیاء الحق نے پھر سے اسمبلیاں توڑنے کا اعلان کر دیا۔ جس کی انہوں نے تین وجوہات بتائیں:

(1) ۔ نفاذ اسلام کا عمل رک گیا ہے۔

(2) جمہوری عمل سست پڑ گیا ہے

(3) امن وامان کی صورت حال بہتر نہیں ہو رہی اور ملکی سلامتی کو خطرہ ہے۔

17 اگست1988ء کو فوجی یونٹوں کی مشقیں دیکھنے کے لیے صدر ضیاء الحق بہاولپور پہنچے۔ وہاں ایک نئے امریکی ٹینک کی کارکردگی کا مظاہرہ ہوا۔ واپسی پر ان کا طیارہ حادثے کا شکار ہوا اور وہ شہید ہوگئے "۔198810ء میں ضیاء الحق کی شہادت کے بعد غلام اسحاق خان نے عارضی طور پر صدارت کا عہدہ سنبھالا اور انتخابات کے نتیجے میں محترمہ بے نظیر بھٹو وزیر اعظم بنیں"۔11بے نظیر بھٹو کی حکومت کی برطرفی کے بعد3نومبر 1990 تا18جولائی 1993ء تک میاں محمد نواز شریف کی وزارت رہی۔ نواز حکومت اپنی مدت پوری نہ کر سکی اور صدر غلام اسحاق خان نے 18 اپریل1993ء کو قومی اسمبلی اور نواز حکومت دونوں کی تحلیل کا نوٹیفیکیشن جاری کر دیا۔ اگرچہ سپریم کورٹ نے ان کی حکومت بحال کر دی تاہم وہ اقتدار کی کرسی پر فائز نہ رہ سکے اور فوج کے سربراہ نے صدر اور وزیر اعظم کو ان کے باہمی اختلافات کی بناء پر بیک وقت مستعفی ہونے پر مجبور کر دیا"۔12اکتوبر1993ء تا5نومبر1996ء تک بے نظیر بھٹو کی دوسری وزارت کا دور رہا۔ 5نومبر1996ء میں بے نظیر حکومت کی برطرفی کے بعد ملک معراج خالد کو نگران وزیر اعظم بنایا گیا۔ جو 17 فروری 1997 ء تک رہے۔ فروری تا12 اکتوبر1999ء نواز شریف کی دوسری وزارت کا دور رہا"۔2013جون 2001ء تا16اکتوبر2008ء تک جنرل پرویز مشرف کا دور حکومت رہا۔ 9 ستمبر2008ء میں آصف علی زرداری وزیر اعظم بنے اور اپنی حکومت کے آئین کے مطابق پانچ

سال پورے کیے"۔14 آصف علی زرداری کے بعد نواز شریف تیسری بار وزیر اعظم منتخب ہوے اور ان کی حکومت تا حال جاری ہے۔1947ء سے اب تک پاکستان میں گیارہ صدر رہے جن میں 4 آرمی آفیسر اور 7 دوسرے سربراہان تھے۔ جنرل ضیاء الحق کا دورے حکومت دس سال رہا جو تاریخ میں سب سے طویل ہے۔ پاکستان کے 68 سالہ دور میں صرف دو صدر ایسے ہیں جنہوں نے اپنے اقتدار کے پانچ سال پورے کیے"۔15 محمد علی جناح نے پاکستان کا جو تصور پیش کیا تھا اس کے مطابق پاکستان میں ایک ایسی جمہوریت کا قیام مقصود تھا جس کی بنیاد اسلامی اصولوں پر رکھی گئی ہو۔ بد قسمتی سے پاکستان میں نہ اسلام آیا اور نہ ہی اپنی اصلی شکل میں جمہوریت کبھی قائم ہوئی۔

پاکستان میں سیاسی و معاشرتی بدامنی کا جائزہ

پاکستان دنیا کی وہ واحد مملکت ہے جو دو قومی نظریے کی بنیاد پر لاکھوں قربانیوں کا نذرانہ دینے کے بعد معرض وجود میں آئی۔ اصولاً تو روز اول ہی سے اس میں اسلامی قوانین کا نفاذ ہو جانا چاہیے تھا لیکن نامعلوم سیاست کی وہ کون سی مجبوریاں تھیں جن کی بناء پر جو کام سب سے پہلے ہونا چاہیے تھا اسے حکمران ہمیشہ معرض التوا میں ڈالتے رہے۔ قیام پاکستان سے لے کر اب تک ملک میں کئی بار اسمبلیاں ٹوٹیں اور بنیں۔ مارشل لاء آیا اور گیا۔ جمہوریت کی گاڑی کئی بار رواں دواں ہوئی۔ وزیروں اور مشیروں کا آنا جانا لگا رہا۔ اس اثناء میں ایک ملکی حصہ بھی جدا ہو گیا برے بھلے پنج سالہ اور دس سالہ منصوبے بھی بنتے رہے عدلیہ کے ستون بھی آج تک قائم ہیں اور اپنا کام کر رہے ہیں لیکن جس بدترین انگریزی قانون کی چھتری تلے عدلیہ اپنے اختیارات استعمال کرتی اور فیصلے سناتی رہی۔ ہر حکومت اس انگریز قانون کے مطابق فیصلے کرنے والی عدلیہ کو اپنی ہر قسم کی مدد مہیا کرتی رہی۔ جب جب دینی حلقوں کی طرف سے آواز اٹھی اسے بہانوں سے ٹالنے کی کوشش کی گئی۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ اگر اسلامی سزاوں کا نفاذ ہو گیا تو یورپی آقا ناراض ہو جائیں گے۔ اور انہیں ان کی طرف سے اس اسلامی قانون دشمنی پر ملنے والی بخشش (ایڈ) ختم ہو جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان بننے سے لے کر آج تک مکمل طور پر اسلامی حدود کا نفاذ نہ ہو سکا۔ اسلام دشمن اذہان اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ وہ اسلامی قوانین کو بوسیدہ، ناقابل عمل، تنگ نظر اور اس کی سزاوں کے وحشیانہ ہونے کا ڈھنڈورا پیٹتے رہیں۔ ملک میں ڈاکہ زنی، قتل و غارت، آبرو یزی، چوری منشیات کے پھیلاو۔ سمگلنگ وغیرہ عام ہیں اور ایسا کرنے والے کھلے عام جرائم کرتے پھر رہے ہیں۔ پولیس اور قانون کو اوپر سے آرڈر ہوتا ہے اپنا بندہ ہے اسے کچھ نہ کہا جائے۔ یوں ہر وقت معاشرے میں سیاسی مجرموں کی ایک کھیپ غیر انسانی سرگرمیوں میں مصروف رہتی ہے۔ ان لوگوں کو معلوم ہے کہ اگر ملک عزیز میں اسلامی حدود کا نفاذ ہو گیا تو ان کے اپنے پروردہ مجرم بھی ٹھکانے لگا دیئے جائیں گے۔ لہذا یہ پروپیگنڈہ ہر دور میں جاری رہا کہ اسلامی سزائیں وحشیانہ ہیں۔ مجرموں کو سزا نہ ملنا ان کو مزید دلیر کر دیتا ہے اور وہ خود کو ہر قید سے آزاد تصور کرتے ہیں۔ اس کے برعکس اسلام میں جرم و گناہ کا تصور یہ ہے کہ مجرم کو اس دنیا میں بھی سزا ملے گی اور آخرت میں بھی چاہے جرم چھوٹا ہو یا بڑا اسلام حقوق اللہ، حقوق العباد اور حقوق النفس کے تحفظ کے لیے وہ سزائیں تجویز کرتا ہے جو باعث عبرت ہوں۔ کسی مجرم کے ایک بار سزا یافتہ ہونے کے بعد معاشرے میں اس قدر جرم سے شدید نفرت اور اس کے ارتکاب پر کڑی سزا کا ایسا خوف پیدا ہو کہ سالوں تک کوئی دوسرا اس جرم یا گناہ کا ارتکاب نہ کر سکے۔ ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی ہیں لیکن شریعت کے نفاذ میں اتنی سستی کیوں؟ آپ ﷺ کے عطا کردہ قانون میں کیڑے کیوں نکالے جا رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے جو سزائیں خود نافذ کیں اور جن پر خود عمل کر کے دیکھایا اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام ﷺ اور ان کے بعد اسلاف امت نے عمل کیا کیا یہ سب وحشی، عقل سے کورے اور درندوں کے قانون کا نفاذ کرنے والے تھے؟ (نعوذ باللہ) ایسا ہر گز نہ تھا۔ ہمیں اپنے اندر ایسی سوچ کو ابھرنے کا موقع ہر گز نہیں دینا چاہیے یہی ہمارے دین اور ایمان کا تقاضا ہے اگر یہ سوچ ہمارے اندر جنم لے رہی

ہے تو ہم دین و ایمان کی نعمت سے عاری ہیں۔ دن دیہاڑے کسی کے خون پسینے کی کمائی چھین لینا، راہ چلتے آدمیوں کو گولیوں سے بھون دینا، عورتوں اور بچوں کو بندوق کی نالی پر منہ میں کپڑے ٹھونس کر انہیں اپنے ہاتھ سے اپنا سب کچھ حوالے کر دینے پر مجبور کرنا، جوان بچیوں کی اجتمائی آبروریزی کرنا، راہ چلتی خواتین کے پرس چھین لینا، ماوں کے معصوم جگر گوشوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے تیزاب میں ڈال دینا۔ ننھے بچوں کے دل، گردے اور آنکھیں نکال کر فروخت کرنا اور ان کے مردہ اجسام سڑکوں پر پھینک دینا خود ساختہ رسومات، انا پرست رسومات کو غیرت کا نام دے کر خواتین کو قتل کرنا، بم دھماکے اور علمائے دین کو قتل کرنا، بچوں اور عورتوں کو اغواء کرنا، بچوں سے بد فعلی، گھر بھر کے افراد کو بے دردی سے قتل کر دینا، جان بوجھ کر کسی کی کار سے ٹکر ما کر اسے ختم کر دینا، شراب پی کر غل غپاڑہ مچانا اور قتل و غارت اور زنا کرنا، چھوٹے چھوٹے بچوں کو منشیات کا عادی بنانا اور انہیں جرائم کی ترغیب دینا، سمگلنگ اور رشوت کا بازار گرم رکھنا، کسی اہل حق کے حق کو دبانا، بھاری رشوت وصول کرنا، اہل اقتدار کا اپنی ذمہ داریوں سے غفلت برتنا، زکوۃ کا ادانہ کرنا اور غریب اعوام پر بھاری ٹیکس عائد کرنا، ورثہ کو ان کی وراثت سے محرم کرنا اور ان کی حق تلفی کرنا، لوگوں کو اغواء کر کے معذوری کی دلدل میں دھکیلنا اور ان کو گداگری پر مجبور کرنا، غریب کو ایک وقت کی روٹی تک میسر نہ ہو اور دوسری طرف رقص و سرور کی محفلیں اور ثقافتی پروگراموں پر لاکھوں اڑانا اور غیر ملکی دوروں کی آڑ میں کروڑوں روپے برباد کرنا، کیا یہ ظلم نہیں؟ کیا یہ وحشیانہ سوچ نہیں؟ کیا یہ درندگی اور وحشت نہیں؟ یا پھر اسلام کی ایسی سزائیں جو ان جرائم کو روکنے کے لیے مقرر کی گئیں ہیں وہ ظلم، درندگی اور وحشیانہ ہیں؟ ایسے ظالم، گندے اور گھناونے جرم کرنے والوں کی پشت پناہی کرنے والے یقیناً ایمان کی طاقت سے محروم ہیں۔ "اس کے برعکس اگر ان سزاوں کے نافذ کرنے والے ملک سعودی عرب پر نظر ڈالیں تو معلوم ہو جائے گا کہ وہاں جرائم کی شرح کیا ہے؟ اس ملک میں سات سالوں میں ایک بھی قتل نہیں ہوتا۔ جب کے مغربی ممالک میں سات سیکنڈ میں سات قتل ہو جاتے ہیں۔ سعودی عرب کے پر سکون شہریوں کی زندگی کا جائزہ لیں تو یہ بات با خوبی معلوم ہو جائے گی کہ مجرموں کو ہمدردی کر کے چھوڑ دینے سے جرائم کم ہوتے ہیں یا اللہ کی مقرر کردہ سزائیں نافذ کرنے سے "۔16

اسلامی قیادت بطور اسوۃ حسنۃ

"اسلام سے پہلے عرب کا کیا حال تھا۔ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے انسانیت ہلاکت کے دہانے پر تھی۔ انسان اس صدی میں خدا کو بھول چکا تھا۔ انجام سے بے خبر برے بھلے کی تمیز کھو چکا تھا۔ وہ دنیا کے لئے کوئی اچھا نمونہ ہونے کی بجائے ہر قسم کی خرابی اور فساد کے علمبردار و ذمہ دار تھے"۔17 "مختلف اجتماعی اور اخلاقی امراض کا عرصہ سے یہ قومیں نشانہ بنی ہوئی تھیں۔ بادشاہ اور حکام خواب غفلت میں مدہوش اور نشہ سلطنت میں سرشار تھے۔ دنیا کے مختلف حصوں اور ملکوں میں ایسی دینی غفلت و خود فراموشی، اجتماعی بے نظمی و انتشار اور اخلاقی تنزل و زوال رونما تھے"۔18 یہ ممالک تنزل و انحطاط اور شر و فساد میں ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتے تھے، نظام حکومت میں حد درجہ ابتری تھی، حکام کی سخت گیری اور عوام کی اخلاقی گراوٹ کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام قومیں اپنے اندرونی مسائل ہی میں الجھ کر رہ گئی تھیں، ان کے پاس نہ دینی ہدایات تھیں اور نہ نظام حکومت کے لیے مستحکم و مقبول اصول، عام رعایا بے شمار مصائب کا شکار تھی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کے باشندے حکومت سے نالاں تھے۔ "خالص آمرانہ حکومت کا دور دورہ تھا۔ اس زمانہ کی سیاست مطلق العنان بادشاہت تھی۔ یہ بادشاہت اکثر مخصوص خاندانوں کی عظمت پر قائم ہوئی تھی۔ کبھی بادشاہت کسی خاص گروہ یا کسی مخصوص وطن کا حق سمجھی جاتی تھی"۔19 روئے زمین پر کوئی قوم ایسی نظر نہ آتی تھی جو شرافت اور اعلیٰ اقدار کی حامل کہلا سکے۔ نہ ایسی قیادت تھی جو علم و حکمت اپنے ساتھ رکھتی ہو۔ آپ ﷺ کی بعثت کے وقت دنیا کی کیفیت ایک ایسے غار کی تھی جس میں روشنی کی کوئی کرن نظر نہ آتی ہو۔ آپ

ﷺ کی بعثت کا مقصد انسانوں کی بندگی سے نکال کر صرف خدا کی بندگی کی طرف لانا تھا۔ نیکی کی ترغیب دینا اور بدی سے روکنا تھا۔ حلال و حرام کی تمیز سکھانا اور ان بیڑیوں کو کاٹنا تھا جو انسانوں نے اپنی نادانی سے یا مذاہب و حکومتوں نے زبردستی لوگوں کے پاؤں میں ڈال رکھیں تھیں۔ آپ ﷺ کے مخاطب صرف ایک قوم یا ایک ملک کے باشندے نہ تھے۔ آپ ﷺ کا خطاب تمام نوع انسانی تھا"۔20 نبی کریم ﷺ نے ۲۳ سال کی قلیل مدت میں اپنی تعلیم و تبلیغ سے اس قوم کے مختلف عناصر کو اس طرح جوڑ دیا کہ یہ پوری قوم صرف متحد اور منظم ہی نہیں ہو گئی بلکہ اس کے اندر سے صدیوں کے پرورش پائے ہوئے اسباب نزع و اختلاف بھی ایک ایک کر کے دور ہو گئے اپنے ظاہر ہی میں متحد و مربوط نہیں ہوئی بلکہ اپنے باطنی عقائد و نظریات میں بالکل ہم آہنگ و ہم رنگ ہو گئی۔ نہ صرف خود منظم ہوئی بلکہ اس نے پوری انسانیت کو بھی اتحاد و تنظیم کا پیغام دیا۔ یہ ایک بالکل اصولی اور انسانی تنظیم تھی۔ اس کے پیدا کرنے میں حضور ﷺ نے نہ تو نسلی، لسانی اور جغرافیائی تعصبات سے کوئی فائدہ اٹھایا، نہ دنیوی مفادات کا کوئی لالچ دلایا، نہ کسی دشمن کے ہوّے سے لوگوں کو ڈرایا۔ دنیا میں جتنے بھی چھوٹے بڑے مدبر اور سیاست دان گزرے ہیں انہوں نے ہمیشہ اپنے سیاسی منصوبوں کی تکمیل میں انہیں محرکات سے کام لیا تھا۔ اگر حضور ﷺ بھی ان چیزوں سے فائدہ اٹھاتے تو یہ بات آپ ﷺ کی قوم کے مزاج کے بالکل مطابق ہوتی۔ لیکن آپ ﷺ نے نہ صرف یہ کہ ان چیزوں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ ان میں سے ہر چیز کو ایک فتنہ قرار دیا۔ اور ہر فتنہ کی خود اپنے ہاتھوں سے بیخ کنی فرمائی آپ ﷺ نے اپنی قوم کو صرف خدا کی بندگی اور اطاعت، عالمگیر انسانی اخوت، ہمہ گیر عدل و انصاف، اعلائے کلمۃ اللہ اور خوف آخرت کے محرکات سے جگایا۔ یہ سارے محرکات نہایت اعلیٰ اور پاکیزہ تھے اس وجہ سے آپ ﷺ کی مساعی سے دنیا کی قوموں میں صرف ایک قوم کا اضافہ نہیں ہوا بلکہ ایک بہترین امت ظہور میں آئی جس کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے۔ "كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ"۔21 "تم دنیا کی بہترین امت ہو جو لوگوں کو نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے لئے اٹھائی گئی ہو"۔ حضور ﷺ کی سیاست اور حضور ﷺ کے تدبر کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ جن اصولوں کے داعی بن کر اٹھے وہ فرد، معاشرہ اور قوم کی ساری زندگی پر حاوی تھے، انفرادی و اجتماعی زندگی کا ہر گوشہ ان کے احاطہ میں آتا تھا۔ لیکن آپ ﷺ نے اپنے کسی اصول کے معاملہ میں کبھی کوئی لچک قبول نہیں فرمائی۔ نہ دشمن کے مقابل میں نہ دوست کے مقابل میں۔ آپ ﷺ کی پوری زندگی گواہ ہے کہ آپ ﷺ نے کسی سختی سے دب کر کسی اصول کے معاملہ میں کوئی سمجھوتہ گوارا نہیں فرمایا۔ اسی طرح آپ ﷺ جب دنیا سے تشریف لے گئے تو اس حال میں تشریف لے گئے کہ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی ہر بات اپنی جگہ پر پتھر کی لکیر کی طرح ثابت و قائم تھی۔ دنیا کے مدبروں اور سیاست دانوں میں سے کسی ایسے مدبر اور سیاستدان کا نشان آپ نہیں دے سکتے جو اپنے دو چار اصولوں کو بھی دنیا میں برپا کرنے میں اتنا مضبوط ثابت ہو سکا ہو۔ حضور ﷺ کی سیاست اس اعتبار سے بھی دنیا کے لئے ایک نمونہ اور مثال ہے کہ آپ ﷺ نے سیاست کو عبادت کی طرح ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک رکھا۔ حضور ﷺ کی سیاست اور حضور ﷺ کے تدبر کا یہ بھی اعجاز ہے کہ آپ ﷺ نے عرب جیسے ملک کے ایک ایک گوشہ میں امن و عدل کی حکومت قائم کر دی کفار و مشرکین کا زور آپ ﷺ نے اس طرح توڑ دیا کہ فتح مکہ کے موقع پر فی الواقع انہوں نے گھٹنے ٹیک دیئے۔ یہود کی سیاسی سازشوں کا بھی آپ ﷺ نے خاتمہ کر دیا۔ رومیوں کی سرکوبی کے لئے بھی آپ ﷺ نے انتظامات فرمائے۔ یہ سارے کام آپ نے کر ڈالے لیکن اس سارے جہاد کے اندر انسانی خون بہت کم بہا۔ نبی کریم ﷺ سے پہلے کی تاریخ بھی شہادت دیتی ہے اور آج کے واقعات بھی شہادت دے رہے ہیں کہ دنیا کے چھوٹے چھوٹے انقلابات میں بھی ہزاروں لاکھوں جانیں ختم ہو جاتی ہیں اور مال و اسباب کی بربادی کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن نبی کریم ﷺ کے مبارک ہاتھوں سے جو انقلاب برپا ہوا اس کی عظمت

اور وسعت کے باوجود شاید ان نفوس کی تعداد سو سے زیادہ نہیں ہو گی۔ جو اس ساری جدوجہد کے دوران حضور ﷺ کے ساتھیوں میں سے شہید ہوئے یا مخالف گروہ کے آدمیوں میں قتل ہوئے۔ نبی کریم ﷺ کی سیاست اور آپ ﷺ کے تدبر کا ایک اور پہلو بھی خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں ہی ایسے لوگوں کی ایک بڑی جماعت بھی تربیت کر کے تیار کر دی جو آپ ﷺ کے پیدا کردہ انقلاب کو اس کے اصلی مزاج کے مطابق آگے بڑھانے اس کو مستحکم کرنے اور اجتماعی و سیاسی زندگی میں اس کے تمام تقاضوں کو بروئے کار لانے کے لئے پوری طرح اہل تھے۔ چنانچہ اس تاریخی حقیقت سے کوئی شخص بھی انکار نہیں کر سکتا کہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد اس انقلاب نے عرب سے نکل کر آس پاس کے دوسرے ممالک میں قدم رکھ دیا کہ ان کے اندر وحشی قبائل آباد نہیں تھے بلکہ وقت کی نہایت ترقی یافتہ جبار و قہار شاہنشاہتیں تھیں لیکن اسلامی انقلاب کی موجوں نے جزیرہ عرب سے اٹھ کر ان کو ان کی جڑوں سے اس طرح اکھاڑ پھینکا گویا زمین میں ان کی کوئی بنیاد ہی نہیں تھی۔ اور ان کے ظلم وجور کی جگہ ہر گوشے میں اسلامی تہذیب و تمدن کی برکتیں پھیلا دیں جن سے دنیا صدیوں تک مستفید ہوتی رہی۔ لیکن حضرت محمد ﷺ کی قیادت میں دنیا میں جو انقلاب رونما ہوا اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ کوئی ایک واقعہ بھی ہم کو ایسا نہیں ملتا کہ کسی کے ناموس پر دست درازی ہوئی ہو۔ جو لوگ عوام کو ایک نظام میں پرونے اور منظم کرنے کے لئے اٹھتے ہیں یہ ساری باتیں ان کی سیاسی زندگی کے لازمی تقاضوں میں سے ہیں اگر وہ یہ باتیں نہ اختیار کریں گے تو سیاست کے جو تقاضے ہیں وہ ان کو پورا کرنے سے قاصر رہ جائیں گے۔" ہمارے نبی کریم ﷺ اس اعتبار سے بھی دنیا کے تمام اہل سیاست سے الگ رہے جب آپ ﷺ اپنے صحابہ میں چلتے تو کوشش فرماتے کہ سب کے پیچھے چلیں مجلس میں تشریف رکھتے تو اس طرح گھل مل کر بیٹھتے کہ یہ امتیاز کرنا مشکل ہوتا کہ حضرت محمد ﷺ کون ہیں کھانا کھانے کے لیے بیٹھتے تو دوزانوں ہو کر بیٹھتے اور فرماتے کہ میں اپنے رب کا غلام ہوں اور جس طرح ایک غلام کھانا کھاتا ہے اسی طرح میں بھی کھانا کھاتا ہوں۔ نبی اکرم نے حضرت سعد بن عباد کو اپنی ذات سے تکلیف پہنچنے پر بدلہ عطا کیا"۔22 "سیاست و حکومت، دولت و اقتصادیات کے لیے اسوہ حسنہ ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے"۔23 سیاست اور اہل سیاست کا طریقہ ہمیشہ سے یہی رہا ہے۔ فرق اگر ہوا ہے تو محض بعض ظاہری باتوں میں ہوا ہے البتہ ہمارے نبی کریم ﷺ نے ایک نئے طرز کی سیاسی زندگی کا نمونہ دنیا کے سامنے رکھا جس میں دنیوی کروفر کے بجائے خلافت الٰہی کا جلال اور ظاہری ٹھاٹ باٹ کی جگہ خدمت اور محبت کا جمال تھا لیکن اس سادگی اور فقر و درویشی کے باوجود دبدبے اور رعب سے دشمن کانپ جاتے۔ آپ ﷺ کے بعد خلافت راشدہ کا دورہ آیا۔ اسلامی معاشرہ یا ہئیت اجتماعی میں خلیفہ، آنحضرت ﷺ کا جانشین خیال کیا جاتا ہے اسے مطلق سیاسی اور مذہبی اختیارات حاصل تھے۔ خلیفہ کا فرض تھا کہ وہ اسلامی قوانین کا تحفظ اور ان کا نفاذ کرے۔ عام فلاح و بہبود کی ذمہ داریاں اٹھانا بھی اس کا فرض منصبی تھا وہ مسلمانوں کا مذہبی اور سیاسی مرکز تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے جو اسوحسنہ پیش فرمایا خلفائے راشدین نے اس کی اتباع بڑی حد تک کی۔ امام شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں کہ " اللہ تعالی نے آپ کو ایسی سمجھ عطا فرمائی تھی جس سے آپ نے باہمی معیشت، آداب معیشت، تدبیر منزل، باہمی معاملات، سیاست مدن، صحیح و سقیم، قوم کی مصلیحت اور ان خطرات کو جان لیا جو سرداروں اور بادشاہوں کے ظلم وغیرہ سے پیدا ہوتے ہیں"۔24

خلفاءراشدین کی سیاسی قیادت

خلافت راشدہ کی قیادت کا دور تاریخ اسلام میں نہیں بلکہ تاریخ عالم کا درخشندہ دور ہے عدل و انصاف مواخات و مساوات اور انسانی حریت و آزادی، اسلام کی معاشرتی و تہذیبی ترقی وارتقاء اور انسانی فلاح و بہبود کا وہ زمانہ ہے جس میں ریاست وسیاست قانون و آئین، عدل اجتماعی اور مصالح انسانیت کے اصولوں پر عمل کر کے نوع انسانی کی آئندہ نسلوں کے لئے ایک قابل تقلید

نمونہ قائم کیا گیا۔ تاریخ عالم میں کسی قوم کے تسلط کی اس سے زیادہ صاف اور صریح مثال موجود نہیں جن اقوام سے بھی مسلمانوں کا تعلق ہوا، چاہے چند روز کے لئے ہی کیوں نہ ہوا ان کے تمدن کو قبول کر لیا گیا۔ اسلام کے نام لیوا دیگر فاتحین ترک و مغل وغیرہ نے نہ صرف ان کے تمدن کو اختیار کر لیا بلکہ دنیا میں اس کی اشاعت کے حامی و سرپرست بن گئے۔ جب قیادت کی ذمہ داری کا بوجھ حضرت ابو بکر صدیقؓ پر پڑا تو انہوں نے لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر فرمایا: "میں آپ لوگوں پر حکمران بنایا گیا ہوں حالانکہ میں آپ کا سب سے بہتر آدمی نہیں ہوں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں نے یہ منصب اپنی رغبت اور خواہش سے نہیں لیا ہے۔ نہ میں یہ چاہتا تھا کہ کسی دوسرے کے بجائے یہ مجھے ملے۔ نہ میں نے کبھی خدا سے اس کے لئے دعا کی۔ نہ میرے دل میں کبھی اس کی حرص پیدا ہوئی۔ میں نے تو اسے بادلِ ناخواستہ اس لئے قبول کیا ہے کہ مجھے مسلمانوں میں فتنۂ اختلاف اور عرب میں فتنۂ ارتداد برپا ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ میرے لئے اس منصب میں کوئی راحت نہیں ہے۔ بلکہ یہ بارا عظیم ہے جو مجھ پر ڈال دیا گیا ہے، جس کے اٹھانے کی طاقت مجھ میں نہیں ہے۔ الا یہ کہ اللہ ہی میری مدد فرمائے۔ میں یہ چاہتا تھا کہ میرے بجائے کوئی اور یہ اٹھالے۔ اب بھی اگر آپ لوگ چاہیں تو اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے کسی اور کو اس کام کے لئے چن لیں۔ میری بیعت آپ کے راستے میں حائل نہ ہو گی۔ آپ لوگ اگر مجھے رسول اللہ ﷺ کے معیار پر جانچیں گے اور مجھ سے وہ توقعات رکھیں گے جو حضور ﷺ سے آپ رکھتے تھے تو میں اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ کیونکہ وہ شیطان سے محفوظ تھے اور ان پر آسمان سے وحی نازل ہوتی تھی۔ اگر میں ٹھیک کام کروں تو میری مدد کیجئے، اگر غلط کام کروں تو مجھے سیدھا کر دیجئے۔ سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت، تمہارے درمیان جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ میں اس کا حق اسے دلواؤں اگر خدا چاہے۔ اور تم میں سے جو طاقت ور ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے یہاں تک کہ میں اس سے حق وصول کروں اگر خدا چاہے کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی قوم اللہ کی راہ میں جدوجہد چھوڑ دے اور اللہ اس پر ذلت مسلط نہ کر دے۔ اور کسی قوم میں فواحش پھیلیں اور اللہ اس کو عام مصیبت میں مبتلا نہ کر دے۔ میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور رسول ﷺ کا مطیع رہوں۔ اور اگر میں اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی کروں تو میری کوئی اطاعت تم پر نہیں ہے۔ میں پیروی کرنے والا ہوں، نئی راہ نکالنے والا نہیں ہوں"۔25 "حضرت ابو بکرؓ ایک نابینا بڑھیا کی خبر گیری کرتے اور اس کے گھر کا کام خود کرتے"۔26 "حضرت عمرؓ ایک دفعہ صدقہ کے اونٹوں پر تیل لگا رہے تھے ایک شخص نے کہا امیر المومنین کسی غلام سے یہ کام لیا ہوتا، آپ نے کہا مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہے؟"۔27 حضرت عمرؓ جن لوگوں کو عامل بنا کر کہیں بھیجتے تھے ان کو خطاب کر کے کہتے: "میں تم لوگوں کو امتِ محمد ﷺ پر اس لئے عامل مقرر نہیں کر رہا ہوں کہ تم ان کے بالوں اور ان کی کھالوں کے مالک بن جاؤ بلکہ میں اس لئے تمہیں مقرر کرتا ہوں کہ تم نماز قائم کرو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کرو اور عدل کے ساتھ ان کے حقوق تقسیم کرو"۔28 حضرت عثمانؓ نے بیعت کے بعد جو پہلا خطبہ دیا اس میں انہوں نے فرمایا: "سنو میں پیروی کرنے والا ہوں، نئی راہ نکالنے والا نہیں ہوں۔ جان لو کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنے کے بعد تین باتیں ہیں جن کی پابندی کا میں تم سے عہد کرتا ہوں۔ ایک یہ کہ میری خلافت سے پہلے تم نے باہمی اتفاق سے جو قاعدے اور طریقے مقرر کئے تھے ان کی پیروی کروں گا۔ دوسرے یہ کہ جن معاملات میں پہلے کوئی وعدہ مقرر نہیں ہوا ہے ان میں سب کے مشورے سے اہل خیر کا طریقہ مقرر کروں گا۔ تیسرے یہ کہ تم سے اپنے ہاتھ روکے رکھوں گا جب تک کہ تمہارے خلاف کوئی کاروائی کرنا قانون کی رو سے واجب نہ ہو جائے"۔29 "اسی طرح حضرت علیؓ کا عمل تھا حضرت علیؓ نے اپنی تنخواہ کا معیار وہی رکھا جو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی تنخواہوں کا تھا۔ آدھی آدھی پنڈلیوں تک اونچا تہبند پہنے رہتے اور وہ بھی اکثر پیوند لگا ہوا ہوتا۔ عمر بھر کبھی اینٹ پر اینٹ رکھنے کی نوبت نہ آئی۔ ایک مرتبہ ایک صاحب جاڑے کے زمانے میں آپ سے ملنے گئے

دیکھا تو ایک بوسیدہ چادر پہنے بیٹھے ہیں اور سردی سے کانپ رہے ہیں"۔30 شہادت کے بعد آپ کے ترکے کا جائزہ لیا گیا تو صرف سو درہم نکلے جو آپ نے ایک غلام خریدنے کے لئے پیسہ پیسہ جوڑ کر جمع کئے تھے کبھی کسی ایسے شخص سے بازار میں کوئی چیز نہ خریدتے تھے جو آپ کو جانتا ہو تا کہ وہ قیمت میں امیر المؤمنین ہونے کی بنا پر آپ کیساتھ رعایت نہ کرے۔لوگوں کو برائیوں سے روکتے، بھلائیوں کی تلقین کرتے اور تاجروں کی ایک ایک منڈی کا چکر لگا کر یہ دیکھتے کہ وہ کاروبار میں بددیانتی تو نہیں کر رہے ہیں۔ اس روزمرہ کی گشت میں کوئی اجنبی آدمی ان کو دیکھ کر یہ اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ یہ بلاد اسلام کا خلیفہ اس کی آنکھوں کے سامنے پھر رہا ہے، کیونکہ نہ ان کے لباس سے بادشاہی کی شان ظاہر ہوتی تھی اور نہ ان کے آگے کوئی چوبدار ہٹو بچو کہتا پھرتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے سر عام اعلان کیا کہ: "میں نے اپنے عاملوں کو اس لئے نہیں بھیجا کہ وہ تم لوگوں کو پیٹیں اور تمہارے مال چھینیں، بلکہ اس لئے بھیجا ہے کہ تمہیں تمہارا دین اور تمہارے نبی ﷺ کا طریقہ سکھائیں۔ جس شخص کے ساتھ اس کے خلاف عمل کیا گیا ہو وہ ہمارے پاس شکایت لائے خدا کی قسم میں اس سے بدلہ لوں گا۔ اس پر حضرت عمرو بن العاص مصر کے گورنر نے اٹھ کر کہا کہ اگر کوئی شخص مسلمانوں کا والی ہو اور تادیب کی غرض سے کسی کو مارے تو کیا آپ اس سے بدلہ لیں گے؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا "ہاں خدا کی قسم میں اس سے بدلہ لوں گا میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو اپنی ذات سے بدلہ دیتے دیکھا ہے"۔31 ایک اور موقع پر حضرت عمرؓ نے اپنے تمام گورنروں کو حج میں طلب کیا اور مجمع عام میں کھڑے ہو کر کہا کہ ان لوگوں کے خلاف جس شخص کو کسی ظلم کی شکایت ہو وہ پیش کرے پورے مجمع میں سے صرف ایک شخص اٹھا اور اس نے حضرت عمر بن العاص کی شکایت کی کہ انہوں نے ناروا طور پر مجھے سو کوڑے لگوائے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا اٹھو اور ان سے اپنا بدلہ لے لو۔ عمر بن العاصؓ نے احتجاج کی کہ آپ گورنروں پر یہ دروازہ نہ کھولیں۔ مگر انہوں نے کہا کہ "میں نے رسول اللہ ﷺ کو خود اپنے آپ سے بدلہ دیتے دیکھا ہے۔ اے شخص اٹھ اور اپنا بدلہ لے لے۔" آخر کار عمرو بن العاصؓ کو ہر کوڑے کے بدلے دو اشرفیاں دے کر اپنی پیٹھ بچانی پڑی۔ ان واقعات کا سنجیدگی سے مطالعہ کرنے والا یہ سمجھ سکتا ہے کہ نظام خلافت اگر قائم ہو گا تو ایسے ہی سیاسی اخلاق کی بدولت قائم ہو گا۔ وہ لوگ حکمرانی سے اس قدر بے رغبت ہوئے کہ ان کے اندر اس سلسلے میں مسابقت کا نشان نہیں ملتا ہر صحابی مناصب حکمرانی میں دوسروں کی نسبت اپنا بہت کم حصہ سمجھتا تھا۔ اگر کوئی منصب کسی صحابی کو پیش کیا جاتا تو وہ دوسروں کی خوبیاں اور صلاحیتیں بیان کرنا شروع کر دیتا۔ یہ نتیجہ تھا محض ان لوگوں کی سیرت کا جو حکومت کا کاروبار چلا رہے تھے اور تمدن کے نگران تھے اور ان کے عقیدے، تربیت، طرز حکومت اور اصول سیاست کا، اس لئے کہ وہ جہاں اور جس حال میں ہوتے دین و اخلاق کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ وہ حکام کی حیثیت میں ہوتے یا فوج کے سالار کی ہمیشہ محتاط و پاکدامن دیانت دار، امانت شعار، خدا ترس اور منکسر مزاج پائے جاتے۔ اسی اخلاق و تربیت کا نتیجہ تھا کہ مدائن کی فتح میں کسریٰ کا مرصع تاج اور اس کا فرش بہار جو لاکھوں اشرفیوں کی مالیت کا تھا فوج کے ہاتھ لگتا ہے، لیکن کیا مجال کہ اس میں ذرا بھی تصرف کیا جائے وہ قائد کے حوالہ کر دیتے ہیں اور قائد حضرت عمرؓ کو بھیج دیتے ہیں وہ تعجب کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے اس کو حوالے کر دیا اور حفاظت کے ساتھ پہنچایا ان کی امانت واقع قابل تعریف ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے پیروؤں کی یہ پہلی جماعت ایسی ہی تھی کہ اس کے سایہ اور اس کی حکومت میں نوع انسانی کو پوری کامیابی و سعادت حاصل ہو اور اس کی قیادت میں اس کا جو قدم پڑے وہ صحیح منزل کی طرف اٹھے، دنیا کو ہر قسم کا اطمینان اور فارغ البالی ہر طرح کی سرسبزی و شادابی اور خیر و برکت حاصل ہو، انسانوں کی مصلحتوں کا ان سے زیادہ جاننے والا اور ان سے زیادہ ان کا خیال رکھنے والا، دنیا کے لئے ان سے بہتر نگران و محافظ اور انسانوں کا ان سے بڑھ کر خیر خواہ کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ بعض اہل مذاہب کی طرح دنیا کی زندگی کو لعنت کا طوق نہیں سمجھتے تھے اسی کے ساتھ وہ اس کو عیش و عشرت کی آخری فرصت و مہلت بھی نہیں سمجھتے تھے کہ اس کا ایک

ایک منٹ قیمتی سمجھتے اور اس کے لذائذ اور نعم کو کسی دوسرے دن کے لئے نہ اٹھا رکھتے، اسی طرح سے وہ اس زندگی کو کسی سابق قدیم گناہ کی سزا بھی نہیں سمجھتے تھے جو ان کے لئے مقدر ہو چکی ہے، نیز مادہ پرست اقوام کی طرح وہ دنیا کی کوئی ایسی نعمت بھی نہیں سمجھتے تھے جس پر وہ بھوکوں کی طرح کریں۔ اور زمین کی دولتوں اور خزانوں میں پڑا ہوا لاوارثی مال بھی نہیں سمجھتے تھے جس کے لوٹنے کے لئے وہ ٹوٹ پڑیں،، وہ کمزور قوموں کو شکار نہیں سمجھتے تھے جس کے شکار کرنے کے لے وہ ایک دوسرے سے مقابلہ کریں۔ ان کا اعتقاد تھا کہ یہ زندگی اللہ کی ایک نعمت ہے جس میں اللہ سے قرب حاصل کرنے اور اپنے کمال انسانی تک پہنچنے کا ان کو موقع دیا گیا ہے اور عمل اور جدوجہد کی ایک مہلت جس کے بعد اس کے لئے کوئی مہلت نہیں۔"الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً"۔32"جس نے مرنا اور جینا بنایا تاکہ تم کو جانچے کہ کون تم میں عمل میں بہتر ہے"۔"اِنَّا جَعَلْنَا مَاعَلَى الْاَرْضِ زِیْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَیُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً"۔33"ہم نے جو کچھ زمین پر ہے اس کو اس کی رونق بنایا ہے تاکہ لوگوں کو جانچیں کہ کون ان میں زیادہ اچھا کام کرتا ہے"۔ اسلامی ریاست ایک نظریاتی ریاست ہے جس کا نصب العین عوام کی انفرادی و اجتماعی بہبود ہے یہ بہبود محض دنیاوی ساز و سامان کی حد تک ہی نہیں بلکہ اس میں اُخروی زندگی کی فلاح بھی شامل ہے۔

قیادت صحیح معاشرے کو فعال بناتی ہے۔ نیکی کا حکم دینے کے لئے ایک ایسے نظام قانون کی ضرورت ہے جو صرف نیکیاں کرنے کی اجازت ہی نہ دے بلکہ نیکی کی پرورش کی ہمت افزائی بھی کرے۔ اور ان کے تحفظ کا ماحول بھی تیار کرے تاکہ پورا معاشرہ نیکی کا زرخیز کھیت بن جائے جس میں نیکی کا بیج بونا آسان ہو۔ اس طرح بدی سے روکنے کا اہتمام کرنے سے مراد صرف مجرموں کو سزا دینا ہی نہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ پورے معاشرے کی ظاہری اور داخلی فضا کو اس طرح بنا دیا جائے کہ اس میں بدی کی پرورش کے تمام راستے بند ہو جائیں یہاں تک کہ بدی کے خیال کی نشوونما کے راستے بھی مسدود ہو جائیں۔ اور معاشرے میں صالحیت اور پاکیزگی بتدریج اس طرح چھا جائے کہ نیتوں کا فتور تک اصلاح پذیر ہو جائے۔ معاشرے کی فلاح و بہبود کا یہ کام ایک صالح اور صحیح قیادت کے ذریعہ ہی ممکن ہے معاشرے کی ترقی کا انحصار قیادت صحیحہ پر ہی موقوف ہے۔ قیادت صحیحہ کے فقدان سے معاشرہ بے آہنگی اور انتشار کا شکار ہو گا۔ اسلامی ریاست کی قیادت، محنت، خدمت اور مشقت کا کام ہے اس کی حیثیت رعایا کے باپ کی سی ہوتی ہے جیسے وہ سب کا غمخوار، ہمدرد، مشفق، مہربان، ممد و معاون، معلم اور قائد ثابت ہو وہ سب کی بھلائی چاہتا ہو اس سے کسی کو جانبداری اور انتقام کا خطرہ نہ ہو وہ بے لوث اور مسلمانوں کے لیے مخلص ہو۔ اپنے مزاج اور فرائض کے اعتبار سے اسلامی قیادت کمزوروں، ضعیفوں، مظلوموں اور پسماندہ لوگوں کی پشت پناہ ہوتی ہے۔ اس امارت کے سلسلے میں خلفاء اور آئمہ کا یہ تصور ہے کہ یہ کمر شکن بوجھ ہے جس کو اٹھانے کے لیے کوئی مرد دانا جلد تیار نہیں ہوتا۔ یہ کوئی اعزاز نہیں ہے کہ اس کے لئے کوشش کی جائے یہ خدا اور رسول ﷺ کی امانت ہے۔ قرآن حکیم و حدیث سے یہی حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ قیادت کی ذمہ داری اہل دانش کو سونپی جاتی ہے نہ کہ وہ جو خود اس کی جستجو اور تڑپ رکھتے ہوں۔ اسلامی معاشرے کی قیادت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے ساتھ جب ایسی تنبیہات و وعیدات بھی موجود ہوں تو کون شخص آسانی سے آگے بڑھنے کی جسارت کر سکتا ہے۔ چنانچہ دور سعادت میں جس کسی پر بھی یہ ذمہ داری پڑی اس پر خدا اور خلق کے سامنے جوابدہی کا احساس اور خوف خدا کا غلبہ کچھ ایسا حاوی رہا کہ ان کی رات کی نیندیں اور دن کا آرام حرام ہو کر رہ گیا۔ ایسے لوگ ملت کی فلاح و بہبود کے کاموں میں کھپ کر ہی رہ گئے۔ حضرت ابو بکر نے تین چیزوں کی خواہش کی کہ کاش وہ یہ نہ کرتے ان میں سے ایک خلافت کو قبول کرنا تھا"۔34 اسلام کے اصول سیدھے سادھے اور بنیادیں صاف ہیں ضرورت صرف اور صرف عمل کی ہے مسلمانوں کی اکثریت عمل سے محروم ہے اور جو جتنا بڑا ہے اتنا ہی عمل سے دور ہے"۔35 سعید الرحمن علوی لکھتے

ہیں:" خلیفہ وہ شخص ہے جس کو اتنی شوکت اور صولت حاصل ہو کہ دوسرے شخص کا اس کے ملک کو دبالینا ناممکن ہو۔ حکمران کو چاہیے کہ وہ ایسے افراد کو جو اپنے فرائض سرانجام دینے میں نمایاں کارکردگی دکھائیں ان کے مرتبے کو بلند کر دے اور اس کے ساتھ کشادہ پیشانی سے پیش آئے اور جس شخص کی خیانت ونافرمانی معلوم ہو جائے تو اس کے وظیفے کو گھٹا دے اس کے مرتبے کو کم کر دے اور اس سے سخت رویہ اختیار کرے اور بادشاہ کو چاہیے کہ اس میں نہایت فراست کا مادہ ہو وہ دلوں کے راز سمجھ سکتا ہو۔ اس میں ایسی زیرکی ہو کہ اس کے گمان ایسے درست ہوں جیسا کہ کسی چیز کو دیکھ رہا ہے یا سن رہا ہے۔ اور بادشاہ کے لیے ضروری ہے کہ ضروری کام کو کل پر نہ چھوڑے بادشاہ کے لیے ضروری ہے کہ اس کے پاس معاون ہوں۔ معاونین میں یہ شرط ہو کہ ان میں صفتِ امانت ہو۔ اور جو کام ان کے ذمہ ہے وہ اس کو پورا کر سکیں۔ اور بادشاہ کے ظاہر و باطن میں فرماں بردار اور مخلص ہوں جس معاون میں یہ صفت موجود نہ ہو اس کو معزول کر دیا جائے۔ اگر بادشاہ اس کو معزول کرنے میں سستی کرے گا تو گویا وہ بد دیانتی کرے گا اور اپنی حالت کو خراب کر دے گا اور یہ بھی مناسب ہو گا کہ ایسے لوگوں کو اپنا معاون نہ بنائے جن کا معزول کرنا دشوار ہو یا قرابت وغیرہ کے سبب سے وہ ملکی حق دار سمجھے جاتے ہوں اس لیے کہ ایسے لوگوں کو معزول کرنا بھی مناسب نہیں ہوتا۔ اور بادشاہ اپنے مخلصین کی بخوبی تمیز رکھے۔ بعض لوگ تو مفاد کی خاطر اخلاص ظاہر کرتے ہیں۔ اور بعض لوگ بغیر کسی غرض کے بادشاہ کے مخلصین ہوتے ہیں بادشاہ کا نفع اور نقصان ان کا نفع اور نقصان ہوتا ہے ایسے لوگوں کی صحبت صاف اور بے مقصد ہوتی ہے۔ ہر شخص خاص عادات اور طبیعت کا مالک ہوتا ہے۔ بادشاہ کو چاہیے کہ ان کی عادت اور طبیعت کے مطابق ان کو ذمہ داری دے اور اس سے زیادہ کی توقع نہ کرے۔ معاونین کے کام اور ذمہ داریاں مختلف ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک حصہ مخالفین کے شر سے ملک کی حفاظت کرتا ہے۔ اور ایک حصہ شہر کی تدابیر کا منتظم ہوتا ہے۔ اور ایک حصہ ملکی مشیروں کا ہوتا ہے۔ بادشاہ کا فرض ہے کہ روزانہ معاونین کی حالت کو دریافت کر کے تمام واقعات اصلاح اور خرابی کو معلوم کرے۔ بادشاہ اور تمام کارکن چونکہ ملک کی مفید خدمتوں میں مصروف رہتے ہیں اس لیے ملک کو ان کے مصارف کی کفالت کرنی چاہیے اور ضروری ہے کہ وہ خراج وصول کریں اور خراج وصول کرنے میں ایسا راستہ اختیار کریں کہ جس میں لوگوں کو ضرر نہ پہنچے۔ اور یہ ہرگز مناسب نہیں ہے کہ ہر مال اور ہر شخص سے ٹیکس وصول کیا جائے اور تمام مشرقی اور مغربی قوموں کے سلاطین نے خاص لحاظ کر کے اتفاق کیا ہے کہ مال داروں سے محصول وصول کیا جائے"۔36 حکمران بھی حقوق العباد کے معاملے میں انہی عام قوانین کے پابند ہیں۔ جن کے عام مسلمان اور رسول ﷺ نے بھی خود کو ان قوانین کا پابند رکھا اور خود اپنی ذات کے خلاف مقدمات سنے اور منصفانہ فیصلے کئے۔

سیاست کے تصور اسلامی میں انسانی حقوق بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ سیاست کا وجود میں آنے کا مقصد ہی انسان کو پر امن زندگی مہیا کرنا ہے۔ اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ لوگوں کی جان ومال اور عزتوں کی حفاظت کرے جس کا اعلان خطبہ حجۃ الوداع میں کیا گیا۔ اس خطبہ میں پہلی بار لوگوں کی جانوں، مالوں اور عزتوں کو اسلامی حکومت میں پورا پورا تحفظ دیا گیا۔ اس منشور سے ہٹ کر زندگی کا جو نقشہ بھی بنایا جائے گا۔ وہ سراسر غیر اسلامی اور غیر انسانی ہو گا اسلام نے صرف نظام حکومت کے اچھا ہونے پر زور نہیں دیا بلکہ اسلام نے حاکم وقت کے اچھا ہونے پر بھی بہت زور دیا ہے۔ اگر حاکم اچھا ہے تو نہ صرف رعایا خوش حال ہو گی۔ بلکہ حکومت کے محاصل میں بھی اضافہ ہو گا۔ لوگوں میں دیانت و امانت، صدق وراست بازی اور فرائض و حقوق کی ادائیگی کا جذبہ ابھرے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے سربراہ مملکت کے علاوہ ہر خاندان، محلہ، برادری اور شہر کے لوگوں پر یہ ضروری قرار دیا ہے کہ وہ باہم ایک دوسرے کی مدد و اعانت کریں۔ اغنیاء اور مال دار لوگ فقراء، غرباء اور مساکین کو روٹی، کپڑا اور مکان کی ضروریات مہیا کریں جو کہ زندگی گزارنے اور عبادات الٰہی کے لیے ضروری ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی انہی

ہدایات نے آپ ﷺ کے بعد آنے والے سربراہان سلطنت کو خبردار کر دیا اور وہ اس بات کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے کہ ان کی سلطنت کی حدود میں نہ صرف انسانوں بلکہ جانوروں کو بھی کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ پہنچے"۔37

معاشرت کے اصول

1۔ دولت کی اصل بنیاد محنت ہے۔ اور باہمی تعاون کی روح رواں ہے۔

2۔ جوا، سٹہ اور عیاشی کے تمام اڈے ختم کئے جائیں جن کی موجودگی میں تقسیم دولت کا درست نظام قائم نہیں ہو سکتا۔ اور بغیر اس کے کہ قوم اور ملک کی دولت میں اضافہ وہ دولت بہت سی جیبوں سے نکل کر ایک طرف سمٹ آتی ہے۔

3۔ مزدور، کاشتکار اور جو لوگ ملک اور قوم کے لیے دماغی کام کریں وہ دولت کے اصل مستحق ہیں۔ ان کی ترقی اور خوش حالی ملک اور قوم کی ترقی اور خوشحالی ہے۔ جو نظام ان قوتوں کو دبائے وہ ملک کے لیے خطرہ ہے۔ اس کو ختم ہو جانا چاہیے۔

4۔ جو معاشرہ محنت کی صحیح قیمت ادا نہ کرے۔ مزدوروں، کاشتکاروں پر بھاری ٹیکس لگائے، وہ قوم کا دشمن ہے۔ اس کو ختم ہو جانا چاہیے۔

5۔ ضرورت مند مزدور کی رضامندی قابل اعتبار نہیں جب تک اس کی محنت کی وہ قیمت ادا نہ کی جائے جس کا وہ حق دار ہے۔

6۔ جو پیداوار یا آمدنی تعاون باہمی کے اصول پر نہ ہو وہ خلاف قانون ہے۔

7۔ کام کے اوقات محدود کئے جائیں۔ مزدوروں کو اتنا وقت ضرور ملنا چاہیے کہ وہ اخلاقی اور روحانی اصلاح کر سکیں اور ان کے اندر مستقبل کے متعلق غور و فکر کی صلاحیت پیدا ہو سکے۔

8۔ تعاون باہمی کا بہت بڑا ذریعہ تجارت ہے لہذا اس کو تعاون کے اصولوں پر ہی جاری رہنا چاہیے، لہذا جس طرح تاجروں کے لیے جائز نہیں کہ وہ بلیک مارکیٹ کے ذریعے تعاون کو نقصان پہنچائیں ایسے ہی حکومت کے لیے درست نہیں کہ بھاری ٹیکس لگا کر تجارت کے فروغ و ترقی میں رکاوٹ پیدا کرے یا رخنہ ڈالے۔

9۔ وہ کاروبار جو دولت کی گردش کو کسی خاص طبقہ میں محصور کر دے ملک کے لیے تباہ کن ہے۔

10۔ وہ شاہانہ نظام زندگی جس میں چند اشخاص یا چند خاندانوں کی عیش و عشرت کے سبب سے دولت کی صحیح تقسیم میں خلل ہو۔ اس کا مستحق ہے کہ اس کو جلد از جلد ختم کر کے عوام کی مصیبت ختم کی جائے اور اس کو مساویانہ نظام زندگی کا موقع دیا جائے"۔38

سیاسیات اور نظام حکومت کے متعلق نظریات

1۔ زمین کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ باشندگان ملک کی حیثیت وہ ہے جو کسی مسافر خانہ میں ٹھہرنے والوں کی۔

2۔ سارے انسان برابر ہیں۔ کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنے آپ کو مالک ملک، ملک الناس، مالک قوم یا انسانوں کی گردنوں کا مالک تصور کرے۔ نہ کسی کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی صاحب اقتدار کے لیے ایسے لفظ استعمال کرے۔

3۔ ملک کے سربراہ کی وہ حیثیت ہے جو کسی وقف متولی کی۔ وقف کا متولی اگر ضرورت مند ہو تو اتنا وظیفہ لے سکتا ہے کہ عام باشندگان ملک کی طرح زندگی گزار سکے"۔39

مندرجہ بالا بحث میں وہ تمام اصولو قاعد بیان کئے گئے ہیں جن پر عمل کر کے پاکستان کی ڈوبتی ہوئی سیاست و معیشت کو بحال کیا جا سکتا ہے۔

خلاصۂ بحث

سیاست انسانی زندگی کا بہت اہم شعبہ ہے متحد انسان اس سے کسی طرح گریز نہیں کر سکتا اجتماعی زندگی میں نظم مملکت کا معاملہ ایک ناگزیر معاملہ ہے۔ اس وقت پاکستان کے جو حالات ہیں اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس کی جارہی ہے کے کوئی ایسی قیادت آئے جو پاکستان کے موجودہ حالات کو بہتر بنا سکے۔ اسلام سے پہلے عرب کا کیا حال تھا۔ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے انسانیت ہلاکت کے دہانے پر تھی دینی غفلت وخود فراموشی، اجتماعی بے نظمی وانتشار اور اخلاقی تنزل وزوال رونما تھے۔ نظام حکومت میں حد درجہ ابتری تھی۔ حکام کی سخت گیری اور عوام کی اخلاقی گراوٹ کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام قومیں اپنے اندرونی مسائل ہی میں الجھ کر رہ گئی تھیں۔ ان کے پاس نہ دینی ہدایات تھیں اور نہ نظام حکومت کے لیے مستحکم و مقبول اصول عام رعایا بے شمار مصائب کا شکار تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باشندے حکومت سے نالاں تھے۔ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات سے پوری قوم صرف متحد اور منظم ہی نہیں ہو گئی بلکہ اس کے اندر سے صدیوں کے پرورش پائے ہوئے اسباب نزع واختلاف بھی ایک ایک کر کے دور ہو گئے حضور ﷺ کی سیاست دنیا کے لئے ایک نمونہ اور مثال ہے۔ آپ ﷺ کے بعد خلافت راشدہ کا دورہ آیا۔ خلافت راشدہ کی قیادت کا دور تاریخ اسلام میں نہیں بلکہ تاریخ عالم کا درخشندہ دور ہے عدل وانصاف مواخات ومساوات اور انسانی حریت وآزادی، اسلام کی معاشرتی وتہذیبی ترقی وارتقاء اور انسانی فلاح وبہبود کا وہ زمانہ ہے جس میں ریاست وسیاست قانون و آئین، عدل اجتماعی اور مصالح انسانیت کے اصولوں پر عمل کر کے نوع انسانی کی آئندہ نسلوں کے لئے ایک قابل تقلید نمونہ قائم کیا گیا۔

سفارشات

اسلام رنگ ونسل، لسانی اور جغرافیائی حدود وقیود سے بالاتر ہو کر وحدت انسانی کا علمبردار ہے۔ اس وحدت انسانی کے تصور کو بحال کرنے کے لیے ضروری ہے کہ افرادی قوت کو منظم ومتحد کیا جائے۔ اسلامی مملکت کا اولین فرض یہ ہے کہ اپنے زیر اقتدار علاقوں میں شریعت کے احکام نافذ کرے۔ علماء کی جماعت میں ایسے مخلص حضرات کا چناؤ کیا جائے جو فرقہ بندی کے خول سے نکل کر اسلامی فکر کی بلندیوں سے آشنا ہوں۔ دوسرے ممالک کے اشتراک سے سائنسی اور تحقیقی ادارے قائم کئے جائیں۔ تاکہ معیشت میں بہتری آئے۔ ملک سے سودی نظام کا خاتمہ کیا جائے اور اسلامی معیشت کے اصولوں کو اپنایا جائے۔ ایسا معاشی نظام ترتیب دیا جائے جو قرآن وسنت کی روشنی میں جدید حالات کے تقاضوں کے مطابق نافذ العمل ہو۔ تاکہ ہر شہری کو اس کے بنیادی حقوق مل سکیں۔ ایک ایسا نظام ہو جس میں کسی کو نقصان نہ پہنچے۔ بے جا خرچ، ناجائز منافع خوری، ذخیرہ اندوزی، رشوت ایسے مسائل ہیں جو ملک کے معاشی ڈھانچے کو تباہ کر دیتے ہیں۔ اسلام میں ان خرابیوں کے انسداد کے لیے اخلاقی تعلیمات دی گئی ہیں جن پر عمل کر کے ملکی حالات کو بہتر بنایا جاسکتا ہے۔ ہمارے سامنے نبی اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین کی عمدہ مثالیں موجود ہیں جن کو عملی طور پر اپنایا جائے۔ عمال کا احتساب سربراہ حکومت کی سب سے اہم ذمہ داری ہے سربراہ کو چاہیے کہ وہ بد دیانت اور نااہل عمال کو عہدوں سے ہٹادے۔ ملک میں امن امان عدل وانصاف، اسلامی معاشی اصول اور اسلام کی اخلاقی تعلیمات کو نافذ کرے۔ اگرچہ اسلامی نظام سیاست کا قیام آسان کام نہیں لیکن اس کے لیے بھرپور کوشش کی جاسکتی ہے۔ مکمل طور پر نہ سہی لیکن کسی حد تک بہتری ضرور آئے گی۔

References

[1] Irshad Quaid-e-Azam Muhammad Ali Jinnah March 21, 1948 Dhaka
[2] Muhammad Ali, Zahoor Pakistan, p. 298
[3] Rafiq, Sheikh Muhammad, History of Pakistan, p.68

[4] Dawn Karachi 18 April 1953.
[5] From Martial Law to Martial Law page 458.
[6] http://meriduniya11.com/news/presidents-of-pakistan.htm
[7] http://meriduniya11.com/news/presidents-of-pakistan.html
[8] Rafiq, Sheikh Muhammad, History of Pakistan, p. 344
[9] Ghafoor Ahmad, The Last Ten Years of President Zia, p. 206
[10] https://en.wikipedia.org/wiki/Muhammad_Zia-ul-Haq
[11] http://www.urdubiography.com/politicians/ ikiped-bhutto.html
[12] http://world136.com/biography/nawaz-sharif.html
[13] http://world136.com/biography/nawaz-sharif.html
[14] https://en.wikipedia.org/wiki/Asif_Ali_Zardari
[15] http://meriduniya11.com/news/presidents-of-pakistan.html
[16] Muneeb, Muhammad Abd, Wisdom of Limits, Implementation and Requirements, p. 28, Mashraba Ulm wa Hikmat Publisher, Lahore, 1430 A.D.
[17] Iqbal, Muhammad Zahid, The Prophetic Way of Dominance of Religion in the Present Age, p. 54, Mahmood Hasan Broadcasting Agency, Lahore, 2008.
[18] Nadwi, Syed Sulaiman, Sirat al-Nabi, p. 17, Islamic Library, Lahore
[19] Mubarakpuri, Safiur Rahman, Al-Rahiqal Makhtum, p. 43, Muktaba Salafia, Lahore, 2000.
[20] Hamidullah, Prophet of peace, p. 20, Nadeem Yunus Printers, Lahore, 2010.
[21] Al-Imran (3) 110
[22] Nadvi, Syed Sulaiman, Sirat-ul-Nabi, p. 17, Islamic Library, Lahore
[23] Rahmani, Abdul Rauf, Days of Khilafat Rashida, p. 44, Qudousia Library, Lahore, 2001.
[24] Ibn Qutiba, Abdullah bin Muslim, Imamate and Politics, translated by Muhammad Sharif, p. 2, Al-Sajjid School, 1972.
[25] Ibn al-Athir, Azuddin, Asdal Ghabah, translator, Abdul Shakur, p. 314, publisher, Al-Kareem Market, Lahore.
[26] Nadvi, Shah Moinuddin, Sir-ul-Sahaba, p. 147, Ulmi Graphics, Karachi, 2004.
[27] Shah Waliullah, Qasas Anbiyyah and their wisdom, p. 147, translated by Ghulam Mustafa Al-Qasimi, published by Cambridge Press, Lahore, 1996.
[28] Naumani, Shibli, Al-Farooq, p. 191, Dar-e-Sha'at, Urdu Bazaar, Karachi, 1898.
[29] abari, Ibn Jarir, Tarikh Tabari, 3/446
[30] Ibn Saad, Muhammad, Tabaqat Ibn Saad, p. 3/156, Nafisa Academy, Karachi, 230 AH
[31] Shibli Nomani, Al-Farooq, p. 193
[32] Al-Mulk (67)2
[33] Al-Khaf (18) 7
[34] Ibn Jarir, Tabari, p. 205
[35] Ibn Jarir, Tabari, p. 205
[36] Alvi, Saeedur Rahman, The Welfare Concept of Islamic Government, Gunj Shukar Printers, Lahore 2003.
[37] Hameedullah, The Rule and Succession of the Prophet,ﷺpage 178
[38] Zafar, Mahmoud Ahmad, The Prophet of Islam and Fundamental Human Rights, p. 32, Bait Uloom.
[39] Muhammad, Mian, Glorious Past of Scholars of India, page 404, Ishtiaq A Mushtaq Printing Press Lahore, 6th edition 2010